نظریۂ خلافتِ امام مہدی

(اعتدال،افراط و تفریط کے تناظر میں)

"حضراتِ اہل السنۃ کی تشریحات کی روشنی میں ایک تجزیاتی مطالعہ"

ڈاکٹر مفتی ثناءاللہ

دارالافتاءدارالعلوم الرحمانیہ، مردان

ناشر: دارالافتاءدارالعلوم الرحمانیہ، مردان

فہرست مضامین

بابِ اول: خلافت کی اہمیت، ضرورت

اہمیتِ خلافت:

۱۔ شرعی اور عقلی دلائل کی روشنی میں مسلمانوں کی ذمہ داریوں میں اہم کام اسلامی خلافت کا قیام ہے، تاکہ اسلام کی شیرازہ بندی خلیفہ سے جڑی رہے اور احکام کا نفاذ یقینی ہو [تفسیر القرطبیؒ، ج ۱ ص ۲۶۴] یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اولی الأمر کی شرعی امور میں اس کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے [شرح مسلم للنووی، باب وجوب طاعۃ الأمر] چونکہ اولی الأمر یعنی خلیفہ کی تقرری کے بغیر اس کی اطاعت ناممکن ہے، لہذا خلیفہ کا مقرر کرنا اجتماعی واجبات میں سے ہے [الفصل لابن حزم، ج ۴ ص ۱۴۹۔ شرح المقاصد للتفتازانی، ج ۵ ص ۲۳۵]

۲۔ اسلامی خلافت کا قیام شرعی اعتبار سے اگرچہ فرضِ کفایہ ہے [ازالۃ الخفاء، ج ۱ ص ۱۷] مگر کفار کے ظلم وطغیان کے وقت یہ حکم واجب اور مؤکد بن جاتا ہے [تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ ششم، ص ۵۸۴] اور علمائے اصول کے نزدیک یہ مسلمہ قاعدہ کلیہ ہے کہ فرض کفایہ مقررہ مدت میں ادا نہ کیا جائے، تو وہ فرضِ عین ہو جاتا ہے، چونکہ خلافت کا قیام ابتداء فرض کفایہ ہے، لیکن اگر تین دن کے اندر مکلف لوگ اسے اداء نہ کریں، تو فرضِ عین ہو جائے گا، جیسا کہ جہاد اور نماز جنازہ اگرچہ فرض کفایہ ہے لیکن اگر مقررہ مدت میں مکلف لوگ اسے ادا نہ کریں تو فرض عین ہو جاتا ہے [غیاث الأمم فی التیاہ الظلم لامام الحرمین الجوینی، ص ۳۵۹] لیکن خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد مسلمانوں پر قیامِ خلافت بھی دیگر شرعی ذمہ داریوں میں ایک اہم ترین دینی فریضہ تھا، جو اب تک حقیقی روح کے ساتھ معطل ہے، جس کا قیام تمام مسلمانوں کے ذمہ باقی ہے۔ **۳۔الف:** شخصی عبادات کے علاوہ اسلامی احکامات کا اکثر حصہ خلیفہ ہی کی نگرانی میں مکمل ہو سکتا ہے اور اس کے بغیر وہ احکامات کمال تک نہیں پہنچ سکتے، مثلاً حدود وتعزیرات، اسلامی سرحدات کی حفاظت

کے جہاد کا حقیقی روح اور ان سے متعلقہ کئی اہم امور صحیح طریقے سے انجام دینا مشکل ہے۔ [ازالۃ الخفاء، ج۱ص۲۰۔ أحکام القرآن للجصاص، ج۳ص۱۱۵۔ أصول الدین لِلإمام عبدالقاہر، ص۲۷۲۔ شرح المقاصد، ج۵ص۵۳۶، ۵۳۷۔ تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ ششم، ج۱ص۵۴۲] ایسے ہی خلیفہ کی شرعی ذمہ داریوں میں سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر، عدل وانصاف کا قیام اور مظلوموں کے حقوق کی حفاظت، مال کی منصفانہ تقسیم، جمعہ وعیدین اور حج کی ذمہ داریاں وغیرہ شامل ہیں اور ان کی ادائیگی بغیر خلیفہ ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ [مجموعۃ الفتاویٰ لابن تیمیہ، ج۲۸ص۳۹۰] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں سلطنت اور مذہب جڑواں ہیں، ان دونوں کی اس باہمی لزوم کو نہ سمجھنے اور اس کے قیام کے لیے کوشش نہ کرنے کی وجہ سے کفار سرکشی میں اضافہ، شعائرِ دینیہ کی بے حرمتی، حج، جمعہ اور مساجد کی حقیقی روح کی تخریب شروع ہوتی ہے۔ [تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ ششم، ج۱ص۴۰۵] اسی لیے انبیائے کرام علیہم السلام نے اقامتِ خلافت اور اس کے نفاذ کے لیے شرعی طریقوں سے روگردانی کو عظیم نقصان اور اس کے انکار کو فسق قرار دیا۔ [المائدہ: ۲۰۔۲۱] **ب:** اسی فرضِ منصبی کو سیدنا داؤد علیہ السلام کے لیے قرآن مجید میں بطورِ نعمت ذکر فرمایا [ص:۲۶] مذکورہ بالا حقائق کے پیشِ نظر متکلمین، فقہاء ومحدثین نے تمام اسلامی فرقوں مثلاً شیعہ، اہل السنۃ، خوارج اور مرجئۃ وغیرہ کے نزدیک نفسِ خلافت اور خلیفہ کو لازمی قرار دیا ہے۔ [الصواعق المحرقۃ، ص۷۔ الفصل لابن حزم، ج۴ص۸۷۔ الأحکام السلطانیہ للماوردی، ص۵]

ج: اعلائے کلمۃ اللہ کا حصول خلافت کے بغیر ممکن نہیں، لہذا شرعی طور پر یہی مقصود اور مامور بہ ہوگا، اسی لیے انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی اقوام کو اسی کا حکم دیا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی معاشرہ بغیر انتظام وانصرام کے نہیں چل سکتا اور انتظام بغیر منتظم

کے ممکن نہیں، کیونکہ انسانی معاشرے میں لڑائی جھگڑوں کو ختم کرکے اعتدال قائم کرنا خلیفہ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اسی انتظامی معاملے کو سنبھالنے کے لیے سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کو یا تو نبوت و بادشاہت اکٹھے دے دی گئی، یا صرف امامت و نبوت سے نوازا گیا، اور خلافت و حکومت کے لیے خلیفہ کی تقرری اسی نبی، رسول اور امام کی نگرانی میں سپرد کردی گئی۔ [غیاث الأمم لامام الحرمین، ص ۱۸۲]

ان امور سے معلوم ہوا کہ خلافت کا قیام اور خلیفہ کی تقرری ایک فطری عمل ہے اور اسی قانونِ فطرت کو قرآن مجید نے آیت استخلاف میں بیان کرکے قیامِ امن اور تمکینِ دین کے لیے وجود خلافت کو لازم قرار دیا ہے۔ [روح المعانی، ج ۹ ص ۳۹۳۔ التفسیر الکبیر، ج ۲۴ ص ۴۱۳۔ ازالۃ الخفاء، ج ۱ ص ۹۴]

قیام خلافت کی ضرورت اور ہماری ذمہ داری:

۱۔ قرآن مجید نے آیتِ استخلاف (لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْض) میں مسلمانوں سے قیام خلافت کا جو وعدہ کیا گیا ہے اس کا پورا ہونا خلیفہ کے مقرر ہونے کے بغیر نہیں ہوسکتا، جب خلیفہ مقرر ہوگا تو پھر مسلمانوں کو زمین میں غلبہ اور احکامات کے تنفیذ کا راستہ ملے گا۔ کیونکہ خلیفہ ڈھال کی طرح ہوتا ہے اس کو منتخب کرنے کے بعد اس کو سامنے رکھ کر جنگ کی جاتی ہے۔ [ازالۃ الخفاء، ج ۱ ص ۱۰۱]

۲۔ آیت مبارکہ (لیظہرہ علی الدین کلہ) میں اسلام کی حقانیت کو دلیل اور قیام خلافت کے غلبہ کے ساتھ قائم کرنا نبی کریم ﷺ کے مقاصدِ بعثت میں سے ہے۔ [تفسیر آیاتِ قرآنی، تحفۂ خلافت، ص ۵۲۰] **۳۔** نبی کریم ﷺ کے متواتر اور مشہور روایات سے صحابہ کرامؓ نے فارس، روم، ہند اور سند کے فتوحات کی خوش خبری سے یہ سمجھا کہ ہم نے خود جا کر ان ممالک کو نبی کریم ﷺ کی بشارت کی تکمیل کے لیے خلیفۂ وقت کی نگرانی میں جہاد کے

ذریعے فتح کرنا ہے، لہذا انہوں نے خلیفہ کو مقرر کرکے ان پیشن گوئیوں کو حقیقی جامہ پہنایا۔[ازالۃ الخفاء، ج ا ص ۴۲۸، ۴۲۷۔ ج ۲ ص ۲۶] ۴۔ چونکہ مشہور روایات میں دینِ اسلام کو ہر کچے، پکے گھر میں پہنچنے کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے پیشن گوئیاں فرمائی ہیں، لہذا اس کی تکمیل کے لیے خلیفہ مقرر کرکے اس کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا مسلمانوں کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔ ۵۔ قیامِ خلافت کا فریضہ اہل حل وعقد اور ان کے بعد مجتہدین علمائے کرام اور ان شخصیات پر ہیں جن کی زندگی صغائر وکبائر کے اصرار سے پاک، مضبوط قوت فیصلہ کے مالک، عوامی اعتماد اور ظاہری وباطنی قبولیت کے ساتھ ساتھ روح پرور، ثقہ معتمد ہوں۔ اور اگر ایسے علمائے کرام موجود نہ ہو، یا وہ ان ذمہ داریوں کو نہ نبھائیں، تو باقی لوگوں کی بنسبت عام علمائے کرام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، کیونکہ وراثت نبوی کے امین ہی مقصد رسالت اور اظہار دین کے لیے نفاذ احکام کا فریضہ سرانجام دیں۔[الأحکام السلطانیہ لأبی یعلی، ص ۳]

بابِ اول کا حاصل:

ا۔ گذشتہ کلام سے معلوم ہوا کہ زمین پر احکامات کے نفاذ کی ذمہ داری خلیفہ پر ہے اس وجہ سے خلافت اسلام کا اہم شعبہ ہے، کیونکہ شریعت کا اکثر حصہ خلافت کے قیام پر موقوف ہے، تاہم خلیفہ کی تقرری کی ذمہ داری نیک صالح اہل حل وعقد پر ہے اور اگر ایسے افراد موجود نہ ہو، تو پھر یہ ذمہ داری علمائے کرام پر لازم ہوتی ہے۔ اور اگر علمائے کرام بھی اس ذمہ داری کو ادا نہ کریں، اور اس کے لیے کوشش نہ کریں، تو پوری امت عوام وخواص اس اہم اجتماعی حکم کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگی۔ اور دنیاوی ذلت ورسوائی ان کا مقدر ہوگی، جب تک اپنی اس ذمہ داری کو نبھانے کی مقدور بھر کوشش نہ کریں۔ مزید اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اس ذمہ داری کے بارے میں یہ تصور کرنا

کہ اللہ تعالیٰ اگر اسباب مہیا کریں، تب ہم کوشش کریں گے، تو یہ خام خیالی اور نری حماقت ہے۔ ایسے ہی یہ خیال بھی غلط ہے کہ ہم ہاتھوں پے ہاتھ دھرے شخصی دینی ذمہ داری کو ادا کرتے رہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ امیدیں رکھیں کہ آخری زمانے میں اللہ تعالیٰ امام مہدی کا ظہور بطورِ خلیفہ کریں گے، لہذا ہماری ذمہ داری صرف شخصی عبادات تک موقوف ہے، اور اپنے آپ کو نہ ذمہ دار سمجھے اور نہ ہی گناہ گار۔ تو یہ تصور پہلے سے بھی زیادہ خطرناک اور امت کے لیے ناسور ہے۔

۲۔ امام مہدی کے بارے میں کئی احادیث میں خلیفۃ اللہ کا لقب آیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کے آخر میں قربِ قیامت کے دور میں ایسے خلیفہ کا ظہور جو پوری دنیا پر احکاماتِ الہیہ کا نفاذ کرے گا۔

۳۔ تو اس خلیفہ کی پہچان ہم کیسے کریں گے، اس کے صفات کتب کلام اور کتبِ فقہ میں کیا کیا وارد ہیں۔ اور عصر حاضر میں خلیفہ کی تقرری کے لیے اہل حل وعقد اور علمائے کرام کے لیے کون کون سی شرائط خلافت کو دیکھنا چاہیے۔

۴۔ مذکورہ بالا امور سے واضح ہوا کہ خلیفہ کی ذمہ داری اور تقرری اہل حل وعقد کا کام ہے اور ان کی عدم موجودگی میں یہ کام علمائے کرام کی ذمہ داری ہو گی، تو کیا یہ خلیفہ ظاہر ہو گا یا مخفی؟ اور کیا اس خلیفہ کی پہچان بیعت سے پہلے ہو گی، یا اچانک کسی غیبی اشارے سے اس کی معرفت ہو گی؟ کیا کسی شرعی حکم کو غیبی اشارے سے ثابت کیا جا سکتا ہے؟ کہ ہم اتنا بڑا حکم محض غیبی اشارے کے انتظار میں معطل چھوڑ دیں اور یہ عذر تراش دیں کہ امام مہدی کی پہچان اچانک علمائے کرام کو ہو گی، لہذا پہلے سے اس کو پہچاننے کے لیے تگ ودو کرنا یا اس کے لیے منظم رابطوں کی ضرورت نہیں۔

آئندہ باب میں خلیفہ کی پہچان، تقرری اور شرائط خلافت کو عصرِ حاضر کے تناظر میں ذکر کریں گے۔

بابِ دوم: خلیفہ کی پہچان، تقرری اور شرائطِ خلافت کا عصرِ حاضر میں تطبیقی مطالعہ:

تمہید: موجودہ احوال کے اعتبار سے قیامِ خلافت کو قرآن و سنت، اجماعِ امت اور قیاس کے تناظر میں دیکھ لیں، تو ہر عقل منداس بات پر متفق نظر آتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح کفار کے طریقوں پر حکومت چلانے والوں اور ان کے اشاروں پر مسلمانوں کے جان و مال، عزت اور غلبہ کو لٹانے والے ان رہزنوں سے نجات حاصل ہو جائے اور اسلامی احکام کے نفاذ کی کوئی نہ کوئی صورت سامنے آنا لازمی ہے۔ **۱۔** اگرچہ صدیوں تک قریش کے علاوہ اسلامی خلافت کے مسند پر ترک، مغل، ہندی اور دیگر مسلمان قبائل حکومت کرتے رہے، جنہوں نے اسلام کے بقاء اور مسلمانوں کے عزت کی خوب خدمت کی، اور دنیا بھر کے علماء و فقہائے کرام نے اس خلافت کو منعقد مانا اور تسلیم کیا۔ اگر موجودہ زمانے میں ایسے ہی کوئی صورت مہیا ہو جائے، تو بھی مسلمانوں کی گرتی ناؤ کنارے لگ سکتی ہے۔ [مآثرِ الإناقۃ فی معالم الخلافۃ، لأحمد القلقشندی، ج۱ ص۵۸۔ ازالۃ الخفاء، ج۱ ص۲۴۔۲۵]

۲۔ تاہم عام حالات میں شریعت نے خلیفہ کے لیے چند شرائط مقرر کیے ہیں:

الف: مرد، عاقل، صحیح الأعضاء، صحیح الحواس ہو اور نسلی، کلی یا جزوی اور ہر قسم کے ذہنی غلامی سے پاک ہو۔ اور ایسے ہی کفر کے تمام اقسام، کفار کے سارے بنیادی اور ذیلی اداروں و تنظیموں سے مبرا اور ان کی شہریت یا تعلق سے منزہ ہو۔ [مآثرِ الإناقۃ، ج۱ ص۳۶۔ الجامع لأحکام القرآن، ج۷ ص۱۰۸۔ ازالۃ الخفاء، ج۱ ص۱۸۔ غیاث الأمم، ج۱ ص۲۰۔]

ب: مذکورہ بالا شرائط بنیادی امور ہیں، ان کے علاوہ ذیل کے اوصاف بھی پائے جائیں، تو انعقادِ خلافت میں شک وشبہ باقی نہیں رہے گا۔

۳۔ مسلمانوں کا اتفاق ہر رنگ و نسل، عرب و عجم کے نزدیک مسلم علمی و عملی شخصیت وہی ہو گی جو صغیرہ و کبیرہ کے اصرار سے پاک ہو، کیونکہ اپنی ذات میں عادل شخص ہی پوری امت کے اجتماعی امور میں تقویٰ وطہارت سے کام لے سکے گا۔[غیاث الأمم، ص۸۸]

۴۔ قرآن نے خلافت کی اہلیت میں علمیت کے اعلیٰ مراتبِ اجتہاد پر مشتمل، عقل و فہم، قوت فیصلہ، شجاعت اور دینی ذوق، عروجِ اسلام میں متفکر اور جنگ و حرب میں مہارت، بیدار مغز شخصیت کو قرار دیا ہے۔[الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، ج۳ص۲۲۴۔احکام القرآن للجصاص، ج۱ص۴۵۲۔ جامع البیان للطبری، ج۲ص۶۰۵۔ غیاث الأمم، ص۳۳۱] **۵۔** مذکورہ بالا خوبیوں میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے یہ شرط بھی اہم ہے کہ خلفائے راشدین، حضرات عشرہ مبشرہ، بدریین ازواجِ مطہرات اور دیگر تمام صحابہ کرامؓ کے اصولی منہج پر چلنے والا، ان سے عقیدت رکھنے والا قریشی میں بنو ہاشم اور حسنی و حسینی النسب ہو، تو پوری امت کے اجتماعیت میں بنیادی کردار اداء کرے گا۔[ازالۃ الخفاء ج۱ص۴۰۹۔ خطبات جمیعت علمائے ہند، ج۱ص۱۶۲۔ غیاث الأمم، ص۳۱۵۔] **۵۔** خلافتِ راشدہ دور نبوت ہی کا بقیہ زمانہ ہوتا ہے، دونوں میں فرق صرف وحی کے آنے اور نہ آنے کی ہے۔[إزالۃ الخفاء، ج۲ص۱۰۰،۲۷] کیونکہ خلیفہَ راشد احکامِ الٰہی کے نفاذ اور تبلیغ کے لیے ہر زمانے کے حکمت میں اعلیٰ درجے کی نفسانی صفت کا مالک ہو۔ اور پورے عالمِ انسانیت کی سرداری کے لیے صفاتِ حزم یعنی شجاعت، کفایت، مردم شناسی اور خوش تدبیری میں کامل ہو۔[إزالۃ الخفاء، ج۲ص۳۳۳] اس کا مطلب یہ ہوا کہ خلیفہَ راشد ظاہری طور پر اقامت دین کے لیے سلطنت کا مالک، مگر باطنی اوصاف میں پیغمبری صفات میں مشابہ ہو۔ چونکہ خلافت کا معنی نیابتِ رسول ہے جس سے انعکاسِ

نبوی تمام امت پر پہنچے اور خلیفہ اس عکس کا پہلا پر تو ہو گا جو قوتِ عاقلہ اور قوتِ عاملہ میں پیغمبری نسبت، فراست نبوی، ملہم، محدَّث اور کئی کرامتوں کا مالک ہو گا۔ جس کو پہچانا جائے گا۔ [ازالۃ الخفاء، ج۲ ص۳۳۹]

اہلِ حل وعقد کی پہچان اور امام مہدی کی بیعت کا طریقہ کار:

تمہید: الٰہی نعمت کا ظہور کسی بھی زمانے میں ہو سکتا ہے، اس سے مایوسی مناسب نہیں اور نعمتوں میں سب سے اہم نعمت خلیفہ راشد کی جستجو ہے، اس میں ہر وقت اپنی پوری توانائی صرف کر دینی چاہیے، ممکن ہے کہ اسی زمانے میں اس کا ظہور ہو جائے۔ کیونکہ خلافتِ راشدہ کسی زمانے یا اشخاص کے ساتھ خاص نہیں۔ کسی بھی زمانے میں اس کا ظہور ہو سکتا ہے۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ خلافت کا زمانہ موجودہ دور نہیں۔ [منصبِ امامت، شاہ اسماعیل شہیدؒ، ص ۱۲۱۔۱۱۹] یہی وجہ ہے کہ حدیث میں خراسانی سیاہ جھنڈوں کی اتباع، اعانت اور رفاقت کا حکم دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کا دوبارہ آنا یقینی اور لازمی ہے۔ لہذا علمائے کرام اور دین سے محبت رکھنے والے تمام شعبہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لیے لازم ہے کہ موجود زمانے میں خلیفۂ راشد کے تعین کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے بھرپور کوشش کریں۔

اہلِ حل وعقد کون؟

عام حالات اہلِ حل عقد سے مراد غلبہ رکھنے والی ایسی جماعت یا خاندان جن کے پاس قوت، طاقت، کنٹرول اور غلبہ ودبدبہ ہو اور اس کے ساتھ معتمد، ثقہ علمائے کرام بھی اس کے ہاتھ بیعت کریں، تب یہ بیعت منعقد ہو گی اور بیعت نہ کرنا خروج کہلائے گا، لیکن اگر کسی فرد یا جماعت کے پاس اگر قوت، طاقت اور کنٹرول ہے، مگر معتمد اور ثقہ علمائے کرام کا اس کے ہاتھ بیعت نہ کریں، یا پھر اس بیعت سے راضی نہ ہو، تو یہ طریقہ شرعی

اعتبار سے مکمل درست نہیں۔ اور اگر کسی کے پاس قوت، طاقت اور غلبہ نہیں اور نہ ہی مسلمانوں کے نیک صالح، ثقہ اور متعمد علمائے کرام کا شوریٰ ان سے متفق ہے، تو محض چند لوگوں کے بیعت کر لینے سے بیعت منعقد نہیں ہوتا، بلکہ یہ بیعت باطل شمار ہوگا۔ [من بایع أحد دون شوری المسلمین فلا بیعۃ له، صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب رجم الحبلیٰ من الزنا، رقم: ٦٨٣٠]

لیکن امام مہدی کے ہاتھ پوری دنیا پر اسلام کا غلبہ مقدر ہو چکا ہے، لیکن ابتداءً شرعی ذمہ داریوں کے دائرہ میں رہتے ہوئے امام مہدی کی بطورِ خلیفہ تقرری کے لیے ضروری ہے کہ باقاعدہ اہل حل و عقد کی موجودگی میں ان کی بیعت پائے تکمیل کو پہنچے، تب ہی امام مہدی کی بیعتِ خلافت منعقد ہو گی۔

تاہم ظہورِ مہدی سے متعلق صحیح اور حسن احادیثِ مبارکہ کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہورِ مہدی سے پہلے پوری دنیا ظلم و ستم بھر چکی ہوگی۔ اور یہ بات بھی کئی احادیث سے ثابت ہے کہ دورِ نبوت و خلافت کے بعد موروثی سلطنتیں ہوں گی اور اس کے بعد زور و جبر کی حکومتیں ہوں گی اور ان کے بعد امام مہدی کا ظہور ہو گا۔

اس سے واضح ہوا کہ نبوت و خلافت اور اس کے بعد موروثی سلطنتوں اور موجودہ جبری حکومتوں کے بعد ہی امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ جس سے پہلے مکمل طور پر مسلمانوں میں صاحبِ غلبہ اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے معتمد اہلِ حل و عقد کی جماعت کا موجود ہونا دشوار ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ حل و عقد شرعی اصطلاح میں ان افراد کو کہا جاتا ہے کہ جن میں سے ہر ایک شخص شرائطِ خلافت پر پورا اترتا ہو اور اس میں خلافت کے مذکورہ صفات یعنی غلبہ اور اس پر مسلمانوں کا اتفاق وغیرہ اس میں خود بھی موجود ہو، تب ہی دوسری شخصیت کو خلافت کے لیے منتخب کر سکتا ہے۔

اگر احادیث میں ظہورِ مہدی سے پہلے حالات کا جائزہ لیا جائے، تو کفار و فساق کی کثرت اور اسلامی دنیا پر کفر کے تسلط کے بعد یہ بات بہت بعید معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جب ظہورِ مہدی سے پہلے کفر کا تسلط پوری دنیا پر حاوی ہو چکا ہوگا، تو اس دوران اہلِ حل و عقد اور مسندِ اقتدار پر کسی شخصیت کو فائز کرنے کی صلاحیت والے افراد کی شان و شوکت اور غلبہ برقرار رکھنا انتہائی ایک ناممکن فعل ہے۔

لہذا اگر دنیا بھر سے علمائے کرام کے ساتھ ظہورِ مہدی کے لیے ایک معتدبہ جماعت بیعت کر لیں اور یہ علمائے کرام مکمل اوصافِ خلافت کے جانچ پڑتال کے بعد امام مہدی کے ہاتھ پر بیعت خلافت کریں، تو یہ بیعت منعقد ہونی چاہیے۔

علمائے کرام کی بیعت اور خلافتِ آدمؑ و طالوت:

زمین پر خلافتِ آدمؑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدمؑ کو منتخب کیا اور اس کی فوقیت فرشتوں کے سامنے ظاہر کر کے اظہارِ اطاعت کے لیے بطورِ بیعت سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا گیا، کیونکہ ملکیتِ ارض اللہ تعالیٰ کی ہے، لہذا اس پر حاکم اور خلیفہ بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکاماتِ الٰہیہ کی تنفیذ کے لیے نیابتِ رسول اللہ بھی بارگاہِ خداوندی ہی سے ہوتا ہے، تاہم ابتدائی طور پر خداوندی ودیعت شدہ اوصاف و خصائل کا اظہار جس طرح سیدنا آدم □ نے کیا ایسے ہی علمائے کرام اگر امام مہدی میں احادیث کے مذکورہ اوصاف کو پالیں گے، تب جا کر تکمیلِ بیعت ہوگی، جیسا کہ قصۂ طالوت میں (ان اللہ اصطفاہ علیکم) سے طالوت کو تکوینی طور پر خلافت کے لیے مقرر کیا گیا اور وجۂ فوقیت کی بھی تصریح کر دی گئی، فرمایا: (وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم، واللہ یوتی ملکہ من یشاء) چنانچہ یقین کے مرتبے پر فائز حضرات نے اللہ تعالیٰ کے اس تعین کو قبول کر کے بیعت کر لیا، لیکن جن کے یقین میں کمال نہیں تھا، تو ان

کے لیے مافوق العادۃ امور یعنی تابوتِ سکینہ وغیرہ کو بطورِ ثبوت لایا گیا، تب جا کر انہوں نے بیعت کی۔

امام مہدی کی بیعت کے لیے بھی زمانی، مکانی، تکوینی، سیاسی، شرعی اور شخصی صفات کی روشنی میں بیعت کرنے والے افراد کا یقین اعلیٰ مرتبے کا ہوگا اور مافوق العادۃ کرامت کا انتظار کرنے والے خسف کے منتظر افراد کا یقین ان کی طرح کامل نہیں ہوگا، اسی وجہ سے مراتب میں فرق رکھا گیا ہے۔ تاہم بیعت کی تکمیل تعینِ خداوندی کو تسلیم کرتے ہوئے ظاہری شریعت کی اتباع میں شرائط خلافت کے مطلوبہ اوصاف کی موجودگی میں بیعت کرنا چاہیے۔

امت محمدیہ کے علمائے کرام انبیائے کرام علیہم الصلوات کے ورثاء اور دینی امور میں ان کے نائبین ہیں، تو جس طرح اممِ سابقہ میں انبیائے کرام علیہم الصلوات بادشاہ متعین کرتے تھے، فرمایا: (اذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا) ایسے ہی اس امت کے فساد کے آخری دور میں بھی علمائے کرام وہی فریضہ سرانجام دیں گے، جو سابقہ امتوں میں انبیائے کرام علیہم الصلوات سنبھالتے تھے۔ جس طرح اممِ سابقہ میں انبیائے کرام علیہم السلام اپنے بادشاہوں کے ساتھ سیاسی امور میں معاونین ہوتے تھے، فرمایا: (إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا) ایسے ہی اس امت کے علمائے کرام نیابت انبیاء میں اس خلفاء کو سیاسی امور میں شوریٰ کا کردار اداء کریں گے، اور شوریٰ ہی امیر کا انتخاب کرتا ہے، تو علمائے کرام ہی خلیفہ کا انتخاب کریں گے۔

اور جب اہل حل وعقد کے ساتھ غلبہ، شرعی شان وشوکت اور باقاعدہ مسلمانوں کی فعال شوریٰ موجود نہیں، لہذا امت کی نگہبانی کا ذمہ اہلِ حل وعقد سے زیادہ اہلیت رکھنے والے

حضرات یعنی علمائے کرام کے سپرد کرنا مقاصدِ خلافت وامامت کے عین مناسب ہے، کیونکہ قرآن مجید انہی کے بارے میں خشیتِ الٰہی کا قائل ہے۔

ہاں البتہ اگر بالفرض اہل حل وعقد موجود ہوں اور وہ جا کر رکن یمانی اور مقامِ ابراہیم کے درمیان امام مہدی کی بیعت کریں، تو یہ بیعت بطریقۂ اولی منعقد ہو جائے گی۔

خلافت طالوت اور خلافت مہدی کے قیام میں مشابہت کا ایک جائزہ:

بنی اسرائیل جب عمالقہ کے سامنے مغلوب ہو گئے، ان کی اولاد اور ان کے شہر لٹ گئے، جب کہ افرادی قوت اور حربی طاقت نہ کافی تھی، تو قیام خلافت کے لیے بنی اسرائیل کے دردِ دل رکھنے والے، ظاہری شریعت اور باطنی کیفیات والے حضرات کے دل میں بطورِ القاء یہ بات ڈال دی گئی، تو انہوں نے پیغمبر علیہ السلام سے تعینِ خلیفہ کا سوال کیا، تو اللہ تعالیٰ طالوت کے پہچاننے کے علامات پیغمبر علیہ السلام کو وحی سے بتلا دی اور ان کو نامزد کر کے خلیفہ منتخب کیا۔ تو ایسے ہی جب مسلمانوں پر کفار کا غلبہ ہو جائے اور اس کے خلاف جہاد اور دیگر تمام وسائل بظاہر کار آمد دکھائی نہ دے، تو در حقیقت قضائے الٰہی میں فتح کی نوید اللہ تعالیٰ کی طرف مقرر کردہ کسی ایسے شخص کو بنانے پر موقوف ہوتا ہے جس کے نام پر غیب میں فتح لکھی جا چکی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دفاعی اور اقدامی جہاد کی حقیقی روح خلیفہ کی تقرری کے بغیر ممکن نہیں اور نہ ہی کسی ایک کے ہاتھ ضروری ہے، بلکہ یکے بادیگرے کئی خلفاء کے بعد ہی کامیابی وجود میں آسکے گی۔ [ازالۃ الخفاء، ج ۱ ص ۳۸۶]

تواتر معنوی سے یہ ثابت ہے کہ امام مہدی قربِ قیامت میں تشریف لائیں گے اور یہ بات بھی کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ ان کی خلافت میں پوری دنیا پر اسلام کا جھنڈا گاڑا جائے گا۔ اور احادیث میں امام مہدی کو خلیفۃ اللہ کہا گیا ہے، لہذا موجودہ ظلم و ستم

کے عروج میں علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ عوام کی ذہن سازی کر کے آنے والے خلافت راشدہ کے احیاء کے لیے کوششیں کریں۔

بابِ دوم کا حاصل:

ا۔اس باب کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی کہ موجودہ دور میں خلافت کا چھت امت مسلمہ کی گری ہوئی عمارت پر آنا ضروری ہے، بلے یہ چھت مٹی سے بنی ہوئی ہو۔اس امید سے آسمان تلے زمین پر سو جانا کہ ہم نے اعلیٰ بلڈ نگ بنانی ہے، لہذا ہم مٹی گارے کے گھر میں نہیں رہیں گے، نری حماقت ہے۔اسی طرح خلافت کی کسی بھی صورت میں احیاء امت کے لیے لازمی ہے، جس کے لیے اہل حل وعقد کا انتخاب عوام الناس اور درد دل رکھنے والے افراد کے ذمہ ہے، تاہم موجودہ دور میں ایسی جماعت ہر سو ناپید ہو چکی ہے، اس لیے یہ ذمہ داری علمائے کرام کے کندھوں پر آن پڑی ہے، جس کے لیے علمی اور عملی اقدام موجودہ دور میں اجتماعی اہم ذمہ داریوں میں سے ایک ہے۔

۲۔تاہم یہ بات سب سے زیادہ قابلِ اہمیت ہے کہ سمندری طوفان کے اس طغیانی دور میں امت کی یہ گرتی ناؤ کنٹرول کرنا اب صرف اور صرف مجددِ اعظم کا ہی کردار ہو سکتا ہے، عام لیڈر کی بس کی بات معلوم نہیں ہوتی۔

۳۔لیکن یہ لیڈر پہاڑوں کی سراخ میں چھپا رستم نہیں ہو گا، بلکہ بچپن سے قیادت سنبھالنے تک عام انسانوں میں موجود ہو گا، اور اس کا تعین شرعی اسلامی طریقہ کے مطابق باقاعدہ بیعت سے ہو گا اور وہی افراد

اس شخصیت کو منتخب کریں گے، جن کے ایک معتد بہ تعداد کی حمایت حاصل ہو۔

۴۔ یہ عظیم لیڈر مجدِ دِ امت یاامام المجدد دین ہی ہو گا، جو امت کی اس زبوں حالی میں قیادت اور سہارا بنیں، تاہم اس کا انتخاب اور عملی اقدام اہلِ حل و عقد یا علمائے کرام ہی کریں گے۔ ہاں البتہ علمائے کرام کی
پشت پناہی اور مضبوطی کے لیے دنیا بھر کے عوام کی سپورٹ اور جانی و مالی تعاون کا ہونا لازمی ہے۔
اور اس کی نظیر اگر ہم ہجرتِ مکہ سے لیں، جس میں ہر طبقے کے مسلمانوں نے ہجرت کر کے عملی طور پر اسلامی ریاست کی بنیاد میں اپنی جان و مال اور گھر بار کو چھوڑ کر ابتداء کی۔ تو اسلامی ریاست کا ڈھانچہ وجود میں آیا۔ ایسے ہی ہم بھی علمائے کرام کے ہاتھ پر یہ عہد کر لیں، جب بھی ایسے مجدد کی تعین ہوئی، تو ہم اپنی جان و مال اور گھر بار کو چھوڑ کر اسلامی نظام کے قیام اور خلافتِ راشدہ کے نظام کے لیے خشتِ اول کا کردار نبھائیں گے۔
آئندہ باب میں موجود زمانے میں ایسے مجدد کی اہمیت اور ضرورت اور اس عہدے کے لیے سب سے مناسب شخصیت امام مہدی علیہ الرضوان کی آمد کا مژدہ سنائیں گے۔

****

باب سوم: تجدیدِ دین کے لیے خلافتِ مہدی کی اہمیت، ضرورت اور موجودہ زمانے میں اس کے تقاضے اور ہماری ذمہ داریاں

عصر حاضر میں مجدد کی ضرورت اور امام مہدی کی بیعت:

آج کے دور میں مسلمانوں کو اپنی محنت اور جہدِ مسلسل پر غور کرنا چاہیے، یہ کہ ہم اپنی سعیَ

پیہم سے چھٹکارا پانے کے لیے مہدی کے انتظار میں پڑے رہیں، یا پھر اپنی مدد آپ کے تحت محنت کے ساتھ ساتھ مہدئ موعود کی تلاش کریں، لیکن مؤخر الذکر صورت میں یہ باتیں سننے میں آئی ہیں مثلاً یہ کہ کیا مہدئ موعود کے پاس فتح کی چھڑی ہوگی؟ جو گھما کر اسلام کو فتح یاب کرانے میں کامیاب ہو جائے گا، یا پھر اللہ تعالیٰ کی مدد صرف امام مہدی کے ساتھ خاص ہوگی اور عام مسلمانوں کے ساتھ اس کی مدد اتنی نہیں ہوتی، جتنی بعض شخصیات کے ساتھ ہوتی ہے؟ یا پھر جب مسلمان اپنی کج فہمی اور سستی کی وجہ سے عالمی ظلم و ستم اور اپنی کمزوری و ناتوانی کا مقابلہ نہ کر سکیں، تو اس کو ختم کرنے کے لیے دوسرے کی کوششوں کا آسرا لگائے کسی شخصیت کے منتظر بیٹھے ہیں، جو آکر انہیں جلد از جلد موجودہ شکست وریخت کی صورت حال سے نکالنے، انہیں فتح دلانے اور تمام عالمی قوتوں کو راتوں رات کمزور کرنے میں کامیاب ہو جائے گا؟

کیا مسلمانوں کو اپنی کوششوں سے اسی طرح کی کامیابی حاصل کرنی ضروری نہیں تھی، جس طرح یہودیوں نے اپنے عالمی رہبر دجال کے آنے سے پہلے پوری طرح تیاری کر کے دنیا کو اپنے کنٹرول میں کر لیا اور اب اس کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ ایسے ہی عیسائیوں نے بھی وسائل و مادیات کو محنت سے استعمال کیا اور ترقی کی اوجِ کمال تک پہنچ گئے اور اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منتظر ہیں، اسی طرح روافض نے عالمی سطح پر اپنی طاقت منوانے کے لیے بہت کوششیں کی ہیں، جن کے نتیجے میں انہوں نے مشرقِ وسطیٰ میں اپنے مخالفین کو زیر کر دیا، مثلاً صدام کو پھانسی پر چڑھا کر اس کے تختِ صدارت کو اپنے قبضہ میں لے لیا، یمن کے مٹھی بھر حوثیوں کو وسائل فراہم کر کے سعودی عرب کے مقابلے میں لا کر کھڑا کر دیا ہے، مگر اب تک ۲۰۱۵ سے سعودی حکومت اپنی اتحادیوں سمیت یمن کو زیر کرنے اور اپنی پسند کی حکومت قائم کرنے سے عاجز رہی ہے، جس میں بظاہر ایران کی واضح کامیابی

نظر آ رہی ہے۔ یہی صورت حال شام میں بھی دیکھنے کو ملی کہ دنیا بھر کے سنی المسلک مسلمانوں نے بشار الاسد کے مخالفین کو سپورٹ کیا، مگر ایران نے اپنے حلیف روس کے ذریعے نہ صرف بشار حکومت کو فتح دلوائی، بلکہ گرد وپیش کے حکومتوں کو بھی اپنی بات منوانے پر بھی مجبور کر دیا۔ایسے میں سنی المسلک مسلمان جہد پیہم سے پہلو تہی کرنے اور محنت سے گلو خلاصی کر کے مہدی کے انتظار میں یہی امید لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ آ کر دوبارہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم کرے گا اور پوری دنیا پر اسلام کا جھنڈا لہرائے گا؟

اس صورتِ حال میں خلافت تو در کنار مغربی جمہوریت بھی اسلامی ممالک میں کامیاب نہیں ہو رہی، یہاں مغرب کا مطیع و فرمانبردار حاکم ہی کامیاب رہتا ہے۔

قرآن وحدیث کے نصوص میں ذکر شدہ وعدوں کی روشنی میں گذشتہ سوالوں کا جواب ڈھونڈنے اور عصرِ حاضر میں رکن یمانی اور مقامِ ابراہیم کے درمیان امام مہدی کی بیعت سے پہلے علمائے کرام اور عوام کی ذمہ داریوں کو علمی انداز میں ذکر کرنا، اس تحقیقی کاوش کا مطمعِ نظر ہے، اس کے علاوہ علمی سطح پر ظہورِ مہدی سے متعلق پھیلی ہوئی بعض غیر تحقیقی باتوں کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔

ا۔ فرقہ واریت کا خاتمہ۔ ۲۔ مسلمانوں کا اتحاد۔ ۳۔ قرآن وحدیث کی تعلیمات پر اسلامی دنیا میں عمل۔ ۴۔ خلافتِ راشدہ کا قیام۔

مذکورہ بالا چار ۴ اہداف کا حصول کیسے ممکن ہے، ذیل کے مباحث شرعی تناظر میں ان امور کے حصول اور حالات کے بدلنے میں ان کا کردار ذکر کیا جائے گی:

ا۔ مجدد کی ضرورت اور امام مہدی کا کردار:

سنن ابی داؤد میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر سو ۱۰۰ سال کے بعد اس امت کی اصلاح کے لیے ایک مجدد کو بھیجتا ہے، تاکہ مسلمانوں کے دینی تعلیمات میں غلطیوں کی درستگی کر کے

تجدید کا کام کریں۔ اکثر کتبِ حدیث میں آخری زمانے میں آنے والے مجدد کے صفات میں کثیر روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ روئے زمین میں پھیلے ہوئے عدل وانصاف کو عام کر کے "جور و ظلم" کو ختم کرے گا۔

ان روایات میں دو باتوں کے پھیلانے اور منتشر ہونے کے وقت ظہورِ مہدی کی بشارت دی گئی ہے: پہلی: جور، دوسری: ظلم۔ جور سے مراد تصورات، مفاہیم، آراء وافکار اور معتقدات کی ناانصافی ہے، جب کہ ظلم سے مراد قتل، کشت وخون کا بازار گرم کرنے، حقوق کے ضیاع، فساد اور افساد ہے۔

واضح رہے کہ حدیث میں "جور" کو "ظلم" پر مقدم کیا گیا ہے، کیونکہ "ظلم" یہ "جور" کا نتیجہ اور اس کا ثمرہ ہوتا ہے۔ لہذا امام مہدی آکر دنیا کو عدل وانصاف کے نظام اس طرح بھر دے گا، جس طرح ان سے پہلے پورا عالم "جور" و "ظلم" سے لبریز تھی۔

امام مہدی زمین میں غلط مفاہیم کو ختم کر کے اپنے عمیق اسلامی مفاہیم کو لاگو کرے گا، ایسے ہی درست نظریہ، ہوشیار نظر و دماغ، صاف و پاک تصورات اور صحیح اعتقادات کے ساتھ عالمِ اسلام کو فہمِ دین کے نفاذ کا عظیم پلیٹ فارم اداء کرے گا۔

جب کہ امام مہدی کے آنے سے پہلے خطا تصورات اور مفاہیمِ مغلوطہ سارے معاشرے میں سرایت کر چکی ہو گی۔ ایسے ہی ظہورِ مہدی سے قبل فکری اختلافات اور مذہبی تفرق پوری زمین پر چھا چکی ہو گی۔

اسی حدیث کے تشریح کی روشنی میں "سلفیت" کو دیکھ لیں، تو باہمی تنازعات اور اختلافات، باہمی شقاق اور سخت عداوت کا شکار ہو چکی ہے۔

علمی سلفیت سے ہٹ کر اگر ہم میدانِ جہاد میں "رایات السود" کے اختلافات کو اس حدیث کے تناظر میں دیکھ لیں، تو وہ بھی انہی مشت و گریبانی کے عالم سرگرداں ہیں، جب

کہ ایک ہی مقصد کو لے کر بھی نقطۂ واحدہ پر نہ ٹھہر سکے، بلکہ انتشار کا شکار ہو گئے۔

مگر امام مہدی جب ظاہر ہوں گے، تو ان میں کسی ایک کے ساتھ نہیں ہوں گے، جیسا کہ روایات و آثار میں اس امر کی مفصل وضاحت موجود ہے، کہ امام مہدی اگرچہ "رایات السود" کے جہادی نظریات سے تعلق رکھیں گے، مگر جب دنیا بھر میں سخت اختلافات شروع ہوں گے، حتیٰ کہ رایات السود بھی باہمی اختلافات شروع کریں گے، تو اس دوران ان میں سے کسی ایک گروہ کے ساتھ بھی نہیں ہوں گے، چنانچہ ابن عباسؓ کی ایک حدیث میں فرمایا: (لم تلبسه الفتن ولم يلبسها) یعنی نہ تو امام مہدی فتنوں سے گریں گے اور نہ ہی فتنے انہیں گرائیں گے۔

اور ایک روایت میں ارشاد فرمایا: (ليس من ذي ولا من ذي، ولكنه خليفة يماني) کہ امام مہدی باہمی جنگ لڑنے والے رایات السود میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی اس انتشار والے جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔

ظہورِ مہدی سے پہلے ہر شخص اپنے رائے پر اصرار کرے گا، جس کی وجہ سے دوسرے کی بات کو قبول کرنا مشکل ہو گا، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس دور میں امام مہدی کے علاوہ کسی دوسرے کی رائے کو قبول کرنے کو رڈ لائن قرار دے کر ہر شخص پر لازم کر دیا۔

جب ظلم کی گھٹاٹوپ اندھیاں اپنی انتہا تک پہنچ کر مزید پھیلنے اور نہ رکنے کا نام لے رہی ہو، جب کہ داخلی ملکی، علاقائی اور صوبائی سطح سے تجاوز کر کے بین الاقوامی صورتِ حال دھار کر نہایت ہی ڈراؤنی شکل اختیار کریں اور نکلنے کی ہر راہ مسدود اور بھاگنے کا راستہ مغلق ہو، ہر کس و ناکس امتِ مسلمہ کے تقدیر کا بند تالہ کھولنے کے لیے تگ و دو کر رہا ہو، مگر مصائب کے اس بھنور سے نکلنے کا چابی کسی کے پاس نہ ہو۔ لہذا ایسے میں امام مہدی کا ظاہر ہو کر اسلامی نظام کے پالیسی کو قبول کرنے سے لازمی اور جبری ہو گا۔

موجودہ حالات اور ظہورِ مہدی:

۲۰۱۱ء کے بعد عرب بہار جو در حقیقت فتنہ الدھیماء اور ظلم و ستم کے آخری لمحات ہیں، اس عرصے میں اللہ تعالیٰ نے عرب مسلمانوں میں بالخصوص اور دنیا بھر کے دیگر مسلمانوں میں بالعموم بیداری کی ایک لہر دوڑای، جیسے کہ ایک روایت میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عن حذيفة رضي الله عنه، سمعت رسول الله ﷺ يقول: ويح هذه الأمة من ملوك جبابرة، كيف يقتلون ويخيفون المطيعين، إلا من أظهر طاعتهم، فالمؤمن التقي يصانعهم بلسانه ويقومهم بقلبه، فإذا أراد الله أن يعيد الإسلام عزيزا، قصم كل جبارا عنيد، وهو القادر على ما يشاء، أن يصلح أمة بعد فسادها، يا حذيفة! لو لم يبق من الدنيا إلا يوم واحد، لطول الله ذلك اليوم، حتى يملك رجل من أهل بيتي، تجري الملاحم على يديه، ويظهر الإسلام، لا يخلف وعده، وهو سريع الحساب. [صفۃ المہدی لأبی نعیم الاصفہانی، رقم الحدیث: ۲۸، ص۱۹]

۱۔اس روایتِ مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کو "ملوک جبابرۃ" کے ظلم وجبر کی حالت بتائی کہ وہ کس طرح نیک لوگوں پر ظلم وجبر کرتے ہوں گے، یعنی انہیں مار پیٹ، قتل اور قید وبند کی سزاؤں سے ڈراتے دھمکاتے ہوں گے، مگر جو لوگ ان کی طاعت ظاہر کریں گے، تو ان پر ظلم نہیں کریں گے۔اس دور میں متقی مومن بظاہر زبان سے تو حکومتِ وقت کی اطاعت کا معاملہ جاری رکھے گا، لیکن ان کا دل ایمان، اطاعتِ الٰہی اور ظلم وجبر کے خلاف قائم رہے گا۔

۲۔اس روایت کے دوسرے حصے میں فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ دوبارہ اسلام کو غلبہ دینا چاہے اور امت کے فساد کو اصلاحی صورت میں تبدیل کرنے کا ارادہ فرمائے، تو اس وقت کے ظالم اور جابر بادشاہوں ختم کردیں گے۔

۳۔اس کے بعد فرمایا: اے حذیفہ! اگر دنیا کی بقاء میں ایک دن بھی باقی ہو، تو اللہ تعالیٰ اس ایک دن کو لمبا کر کے اہل بیت میں سے ایک آدمی کو حکومت کے لیے لائے گا، جس کے ہاتھ عالمی جنگیں لڑی جائیں گی اور اس دور میں اسلام غالب ہو گا، اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

تشریح: اس روایت میں فساد کے بعد امت کی اصلاح کے لیے ظالم اور جابر بادشاہوں کا خاتمہ ہی مسئلے کا حل تجویز کیا گیا اور ظالم حکمرانوں کا فساد یہ تھا کہ مسلمانوں کی معیشت اور معاملات میں ناانصافی اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مسلمانوں کو باہمی انتشار کا نشانہ بنانا تھا، جس میں داخلی سیاسی تناؤ کی صورت حال پیدا کر کے عوام کو انہی اختلافات میں مشغول رکھنا اور سنت و شیعہ کے نام میں مسلمانوں کو تقسیم در تقسیم کر کے مزید کمزور کرنا اور اپنی حکمرانی کو طول دینا ان کے جرائم میں شامل تھا، مگر یہ سب تکوینی طور پر مقرر تھا [ولو شاءالله ما اقتتلوا ولكن الله يفعل ما يريد] اس وجہ سے اس جرم کی سزا کے لیے یہ انہی عوام کے ہاتھوں ان جبابرہ کا ذلت آمیز موت اور حکومتوں کا انتشار مقرر کیا گیا۔

یہ تمام امور در حقیقت امام مہدی کی بیعت کے لیے امت میں بیداریٔ شعور کا پیش خیمہ تھی، تاکہ عرب بہار کے نتیجے میں فسادات کی چکی میں پسی ہوئی عرب عوام عیش و عشرت میں خوابِ خرگوش میں مگن اپنی خرمستیوں سے باز آجائے اور دنیا کی محبت اور موت سے خوف کو ایک طرف کر کے جہادی منہج کو از سرِ نو گلے لگائے اور یہی ہوا کہ ایک بار پھر عرب نوجوان نے طاؤس و رباب کو خیر آباد کہہ کر شمشیر و سنان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔

یہ سب کچھ تکوینی طور پر جبراً اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عزتِ نو کی تیاری اور بیعتِ مہدی کے نزدیک دور میں احساسِ ذمہ داری کے انشائے جدید کے لیے شاید کیا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ ظلم و جبر اور فساد کے کثرت کے خاتمہ کے لیے جابر و ظالم حکمرانوں کی

موت اور ذلت ورسوائی کا مقصد یہ تھا کہ میرے اہلِ بیت سے ایک آدمی بادشاہ بنے گا، جیسا کہ حدیثِ بالا کے آخر میں اس نکتے کی طرف اشارہ کیا گیا۔

تاہم دیگر کئی احادیث وآثار میں آخری زمانے میں ظلم وجبر کے خاتمے کے لیے عرب میں "فتنۃ الدھیماء" شروع کیا جائے گا، جیسا کہ بظاہر ۲۰۱۱ء میں عرب بہار کے نام سے اس فتنے کا آغاز ہوا۔ایک حدیث میں فرمایا: (ثمَّ فتنةٌ لَا يبْقى بَيت من الْعَرَب إِلَّا دَخلته[الجمع بین الصحیحین، رقم:۲۹۷۱ج۳ص۴۵۰] لا تَدَعُ أحداً مِنْ هذه الأمة إلا لَطَمَتْهُ لَطْمة،حتى يصير الناس إلى فُسطاطين، فُسطاط إيمانٍ لا نفاق فيه، وفسطاطِ نفاقٍ لا إيمان فيه [جامع الأصول، رقم:۷۷۴۷،ج۱۰ص۲۳])

ان روایات میں بظاہر عرب بہار میں شروع ہونے والے فساد کو ہر عرب گھر تک پہنچنے جب کہ امت کے ہر فرد کو اس فتنے سے متاثر ہو کر اس کا شکار ہونے کا ذکر کیا گیا، اس کے علاوہ مسلمانوں کا دو گروہوں میں تقسیم ہونے کا تذکرہ کیا گیا، یعنی اس سے پہلے مسلمان اور منافق دونوں مل کر رہ رہے تھے، مگر اس فتنے کے بعد اب یا تو صرف ایمان والا گروہ میں جانا ہو گا یا پھر نفاق والے خیمے میں داخل ہونا پڑے گا۔

احادیث میں اس فتنے سے متعلق کئی روایات میں مختلف علامات بتائی گئی ہے، ایک روایت میں فرمایا(إِنَّهَا ستَكونُ فِتنَةٌ تَسْتَنْظِفُ العَرَبَ قَتْلاها فِي النّارِ اللِّسانُ فِيها أشَدُّ مِنْ وَقعِ السَّيْفِ)[سنن ابی داؤد، رقم:۴۲۶۵،ج۴ص۱۰۲]

۱۔اس روایت میں فرمایا:(اللِّسانُ فِيها أشَدُّ مِنْ وَقعِ السَّيْفِ) "لسان" ذکر کرنے سے زبانی اختلافات، آزادئ رائے اور حریتِ فکر کی آڑ میں مذہب اور مذہبی لوگوں سے بیزاری، باہمی تنازعات اور سخت انتشار کی طرف اشارہ ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے مختلف جماعات اور متعدد احزاب وقبائل کے درمیان زبانی اختلافات سے باتیں بڑھ کر

قتل و قتال تک معاملہ پہنچ جائے گا۔

۲۔مزید فرمایا: (تَسْتَنْظِفُ العَرَبَ)یعنی عرب میں ایک ایسا فتنہ اٹھے گا جس تمام علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا، کوئی دیہات یا شہر اس سے نہیں بچے گا۔اس طرح یہ احتمال ہے کہ یہ فتنہ عربوں کو عیش و عشرت کے سامان سے نکال باہر کر کے جنگ و قتال کے لیے تیار کیا جائے گا اور کھرے کھوٹے کی تمیز اور ایمان ویقین کے جذبے سے سرشار مسلمانوں کو دوسرے منافقین وغیرہ سے جدا کرے گا۔مذکورہ فتن کی وجہ سے مسلمانوں کو امام مہدی کی آمد سے پہلے تیار کیا جا رہا ہے، تاکہ وقت آنے پر خالص ایمان والے مستعد رہے۔

امام مہدی بطور مجدد، موجودہ حالات کی خرابی اور دورِ نبوی سے مشابہت:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ہجرت سے پہلے اوس و خزرج کے دونوں قبائل میں بعاث کے مقام پر سخت خونریز لڑائی ہوئی، جس میں مذکورہ دونوں قبائل کے اکثر رؤساء اور بڑے بڑے سرداران مر گئے اور تھوڑے بہت باقی رہ گئے۔

ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں "جنگِ بعاث" کی یہ شدید لڑائی درحقیقت تکوینی طور پر نبی کریم ﷺ کی مدینہ آمد کے لیے تیاری، قبل از اسلام انصارِ مدینہ کی جنگی جنون کو لگام دینے، اپنے مشرکین رہنماؤں کی خاطر جان ومال کی قربانی دینے والوں کے لیے راہِ خدا میں ایثار کے جذبے کی بحالی میں اضافہ، مدینہ منورہ کی سیاست سے عصبیت اور قبائلی امتیاز کو ہوا دینے والوں کا خاتمہ اور ریاستِ مدینہ کے خشتِ اول منافق سیاست دانوں اور اختلافات کو ہوا دے کر ذاتی اور قبائلی مفاد لینے کو منظرِ عام سے ہٹا دیا گیا، جیسا کہ اس روایت میں فرمایا:

«كان يوم بعاث، يوما قدمه الله لرسوله صلى الله عليه وسلم، فقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد افترق ملؤهم، وقتلت سرواتهم وجرحوا، فقدمه الله لرسوله صلى الله عليه وسلم في دخولهم في الإسلام»

ترجمہ: یومِ بعاث اوس و خزرج کے درمیان نبی کریم ﷺ کی ہجرت سے پہلے ایک ایسا

معرکہ تکوینی طور پر اللہ تعالی واقع کیا، جس میں ان قبائل کو منتشر اور متفرق کر کے ان کے سرداروں قتل و قتال میں ختم کر دیا، انصارِ مدینہ کے لیے یہ جنگ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنی۔[صحیح البخاری، باب مناقب الانصار، رقم:۳۷۷۷، ج۵ ص۳۰]

تشریح: فتح الباری میں ہے کہ اس جنگ میں ان منافقین کو قتل کیا گیا، جو تکبر و عجب میں مبتلا تھے، اسلام سے بیزار اور مسلمانوں کی آمد سے نالاں اور باہمی انتشار کو اپنے مفاد کے استعمال کرنے والے تھے، تاکہ یہ اوس و خزرج کے مسلمان دوسروں کی سربراہی قبول نہ کریں، انہی منافقین کے باقی ماندہ لوگوں میں عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھے۔

اسی واقعے کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:(وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًاوَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا)ترجمہ :اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچا لیا۔ [آل عمران:۱۰۲] اسی تناظر میں ظہورِ مہدی کے مسئلے کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ امام مہدی اس وقت تک ظاہر نہیں ہوں گے، جب تک تمام عرب و عجم کے مسلمان گھریلو، خاندانی، معاشرتی، صوبائی، ملکی اور بین الاقوامی اختلافات اور مذہبی و فرقہ وارانہ سیاسی، سماجی، ثقافتی اور عسکری تنازعات کا شکار ہو کر منتشر نہ ہو جائے۔

عوام کا اپنی حکومتوں کے خلاف اٹھنا اور مذہبی اور سیاسی جماعتوں کا آپس میں گتھم گتھا ہو کر لڑنا، جب کہ دین و دنیا کے تشریحات میں غلط مفاہیم اور موہوم تصورات میں مکمل تبدیلی آ چکی ہو گی۔ مذہبی و دین کے تشریحات اور اس کے نفاذ کے لیے علمی و عملی محنت میں کوتاہیاں کو نیکی سمجھ کر ان غلطیوں میں مزید محنت اغلاط کو پھیلانے کا سبب بن رہا ہے، اسی کے اصلاح

کے بھی امام مہدی کی شخصیت کی ضرورت ہے، کیونکہ ہر فرقے اور ہر مسلک و مشرب کے لوگ اپنی محنت اور طریقے کو حق سمجھ کر دوسرے دینی شعبوں سے گلو خلاصی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

حق و باطل کی تمیز میں امام مہدی کی حضرت طالوت سے مشابہت:

ان غلطیوں کی تصحیح کے لیے امام مہدی کی مثال بنی اسرائیل کے بادشاہ "طالوت" کی طرح ہوگی، جس طرح اس نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: (إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ) ترجمہ: تو اس نے (ان سے) کہا کہ خدا ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا (اس کی نسبت تصور کیا جائیگا کہ) وہ میرا نہیں اور جو نہ پیئے گا وہ (سمجھا جائیگا) میرا ہے ہاں اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی لے لے (تو خیر جب وہ لوگ نہر پر پہنچے)۔ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد میں جب "مِنِّي" فرمایا، تو اس میں مراد یہ ہے کہ اطاعت کرنے والے اور طالوت کے حکم کو ماننے والے اور صرف حق راستے یہی لوگ چلنے والے ہیں، یعنی طالوت کے حقیقی ساتھی، بلکہ اسی سے ہیں، تو اس طرح اطاعت کرنے والے حق پر اور حق ان کے ساتھ ہوگی۔ اسی تناظر میں اگر امام مہدی اور حضرت طالوت اور ان کے متبعین میں نسبت دیکھی جائے، تو یقینا امام مہدی اور ان کے متبعین افضل ہوں گے، لہذا جس طرح حضرت طالوت کے پیروی کرنے والے حقانیت میں حضرت طالوت کی طرف منسوب تھے، ایسے ہی امام مہدی کی پیروی کرنے والے بھی اہتداء اور راہ یابی میں ان کے مشابہ ہوں گے۔ مگر یہ اطاعت منہج مہدی کے ساتھ جان و قلب، بدن و روح کے ساتھ، اعتقاد و محبت اور فہم و سلوک کے ساتھ مشابہت ہو، تو جس طرح حضرت طالوت کے پیروکاروں کے بارے میں "فَإِنَّهُ مِنِّي" کہ وہ مجھ سے ہیں، ایسے ہی امام مہدی کی متبعین بھی

مہدی سے ہوں گے اور مہدی ان سے ہوں گے۔

جیسا کہ انہی نکات کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے: (يخرج رجل من أهل بيتي يقال له المهدي، فإن أدركته فاتبعه وكن من المهتدين)[المعجم الکبیر للطبرانی، ج۱۸ص۵۱، مکتبہ ابن تیمیہ القاہرۃ] یہی وجہ ہے کہ جتنی زیادہ امام مہدی سے فہم و سلوک، جان و قلب، بدن و روح، اعتقاد و محبت اور فکر و منہج کے اعتبار سے دوری ہو گی، اتنی ہی "حق" سے بُعد اور دوری متصور ہو گی۔

امام مہدی اور سیدنا علی حیدر کرم اللہ وجہہ میں مشابہت:

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: کہ تم میں سے ایک قرآن مجید کی تفسیر و تاویل کے قیام کے لیے اسی طرح قتال کرے گا، جس طرح میں نے اس کے نزول کے وقت کیا تھا۔[مسند أحمد، مسند ابو سعید الخدریؓ، رقم: ۱۱۷۷۳، ج۱۸ص۲۹۵]اسی طرح کے الفاظ جیسے حضرت علیؓ کے بارے میں ایسے ہی امام مہدی کے بارے میں بھی ارشاد فرمائے: (عن عائشة، رضي الله عنها، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «هو رجل من عترتي، يقاتل على سنتي كما قاتلت أنا على الوحي»)یعنی میری نسل سے ایک آدمی آکر احیائے سنن کے لیے اسی طرح قتال کرے گا جس طرح میں نے وحی کے لیے قتال کیا تھا۔[الفتن لنعیم، رقم: ۱۰۹۲، ص۳۷۱]

ایسے ہی ایک دوسری حدیث میں فرمایا: (المهدي مني) یعنی مہدی مجھ سے ہوں گے، تو امام مہدی نسل و نسب کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ کی بیٹی سیدہ فاطمہؓ کے نسل سے ہوں گے، جب کہ نسل کی مشابہت کے ساتھ ساتھ نسبت اور سلوک کے اعتبار سے بھی نبی کریم ﷺ سے مشابہت ہو گی، جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ مہدی میرے ساتھ اخلاق میں مشابہ ہو گا۔

عالمی منظر نامے پر مہدی و مجدد کی آمد اور ہماری ذمہ داریاں:

مذکورہ بالا امور سے ثابت ہوا کہ امام مہدی مجددِ کامل اور ان کے سو فیصد مکمل پیروی کرنے والے ہدایت یافتہ گروہ ہے۔ عصرِ حاضر کے تناظر میں اگر ملکی فضاء اور بین الاقوامی صورتِ حال کی روشنی میں عدمِ اعتماد کی بنائی گئی فضاء میں اگر ہم اپنی مسلکی، مذہبی، ملکی اور علاقائی امور کو اختیار کرتے ہوئے ظہورِ مہدی کے وقت اپنے اپنے فرقوں اور معتقد شخصیات پر اعتماد کر کے فتن سے متعلقہ احادیث میں غور و فکر کرنے اور اس کی تطبیق میں تن آسانی اور کاہلی کا مظاہرہ کریں، تو نہ ہی ہم ۳۱۳ بیعت کنندگان کی مبارک جماعت میں آسکتے ہیں اور نہ ہی امام مہدی کے فوج میں شرکت کر سکتے ہیں۔

بلکہ اس وقت ہمارا صورتِ حال اس آیت مبارکہ میں بیان کی گئی حالت کی طرح ہوگی: (يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا) ترجمہ: (لوگوں سے) کہتے ہیں اگر تمہیں یہ حکم ملے تو اس کو لے لینا اگر نہ ملے تو اس سے احتراز کرنا۔

تشریح: اس آیت مبارکہ کی روشنی میں اگر ظہورِ مہدی اور ان کی بیعت کے حوالے سے دیکھ لیں، تو بعض جماعات، پارٹیاں، تنظیمیں اور حکومتیں کہیں گی، اس آنے والے مہدی کے بارے میں جائزہ لو، اگر یہ ہماری پالیسوں اور ہماری مفادات کے خلاف نہ ہو، تو اس کو مان لو اور اگر ہمارے معتقدات، شخصیات اور جماعات یا تنظیموں کے خلاف ہو، تو اس کی بات نہ مانو۔ کیونکہ اس وقت کے علماء و عوام کا یہی عقیدہ ہوگا، کہ جس مذہب و عقیدے سے ہم متعلق ہیں وہی نظریہ ہی سچ اور درست ہے اس کے خلاف ہر کسی کی حق بات بھی ناقابلِ عمل اور قطعی غلط ہوگی۔ قرآن مجید میں اہل کتاب کے اسی نظریے کو رد کرتے ہوئے ان کے عمل اور اپنے پیروکاروں اور مریدین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: (إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا)

بیعتِ مہدی اور لمحہ فکریہ:

گذشتہ امور کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوئی کہ عصرِ حاضر میں ایک ایسے لیڈر کی ضرورت ہے، جو پوری امت مسلمہ کے مسلمانوں کو متفق کر کے کفر کی اجارہ داری کو ختم کریں، جسے علمی اصطلاح میں ہم مجدد کہہ سکتے ہیں، جب کہ امتِ مسلمہ میں رائج اختلافات کو ختم کر کے ایک ہی منہج پر سب مسلمانوں کو جمع کر کے اسلامی تعلیمات کی صحیح تشریح، درست عقیدہ اور اسلوبِ دینِ مستقیم پر امت کو گامزن کریں، ایسے شخصیات کو مہدی اور راہ یاب شخص کہہ سکتے ہیں۔ جب عصرِ حاضر کے تناظر میں ہم اپنی فکری، نظریاتی، منہجی اور مسلکی اختلافات کو ختم کرنا چاہتے ہیں، مگر امام مہدی کا بیعت اس وقت کریں گے، جب وہ ہماری پارٹی کے منشور اور ہمارے مذہب و قوم کے مفادات کی ترجمانی کر کے ہمارے طرز پر اسلامی تعلیمات اور نفاذِ اسلام کا ایسا آئیڈیا پیش کریں، جو ہمارے موافق ہو، تب تو ہم اس کی اقتداء کریں گے، وگرنہ پھر مشکل ہے۔

ایسی صورتِ حال میں موجودہ اختلافات کو ختم کرنا اور تنازعات کو نمٹانے کے لیے جب کسی اپنی ہی من مانی کرنی ہوگی، تو پھر موجودہ دور میں نہ تو مجدد کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی مہدی کی، کیونکہ ہم نے تو اپنے طریقے اور پارٹی و مسلک و مشرب کے مطابق عمل کرنا ہے۔ جب کہ احادیث مبارکہ میں موجودہ زمانے کے اختلافات مسلمانوں کی کمزوری اور فرقوں، ممالک اور تنظیموں میں بٹے ہوئی صورتِ حال کے لیے "امام مہدی" کی خوشخبری دی گئی ہے۔ لہذا عصر حاضر کے مسائل کو حل کرنے، اختلافات کو اتفاق میں بدلنے اور پوری روئے زمین کو اسلامی نظام کے صحیح معتقدات اور قرآن وحدیث کے مطابق حکومت کرنے کے لیے جس شخصیت کی بشارت دی ہے، تکوینی طور پر حالات کی ابتری شاید اس کی آمد اور پہلے سے ہماری ذہنی تربیت کے لیے ہے۔

مگر اس سے قطعاً یہ مراد نہیں کہ امام مہدی معصوم ہوں گے، نہیں، ہر گز نہیں، بلکہ وہ بھی دیگر مجددین کی طرح ہی ایک مجدد ہوں گے، مگر دوسرے مجددین ایک فن یا ایک ملک وعلاقے کے لیے احیائے دین کا کام کرتے تھے اور امام مہدی پوری دنیا کے اسلامی اعتقادات اور حکومتی نظام کی اصلاح کریں گے، تاہم ان سے بھی خطائیں صادر ہو سکتے ہیں، جیسا کہ دیگر مجددین سے صادر ہوتے رہے ہیں۔ گذشتہ تقریر کا مقصد یہ ہے کہ اس وقت کے دنیا بھر کے لوگوں میں سب سے زیادہ درست منہج اور مستقیم انداز والے وہی ہوں گے، جب کہ بیعت سے پہلے بھی اپنی مہدویت کے مشن کی ترویج میں اسلوبِ دعوت کے لیے ایک ایسا طریقہ اور اسلوب اپنائیں گے، جو بیعت کے بعد ہدایت کی طرح صحیح اور لوگوں کے ذہنوں میں پوری طرح راسخ ہونے والے ہوگا۔ مگر اس اندازِ دعوتِ مہدویت میں مزید صلاح اور اضافی ہدایت بیعت کے بعد نورانیت اور قبولیت کے اعتبار سے زیادہ ہوگا۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے شاید اسی موقع کے لیے فرمایا ہے:

عسی عطفة لله فی اہل دینہ
تجدد منه دارسات المعالم

ترجمہ: یہ اللہ تعالی کی طرف سے اس امت کے دیندار لوگوں کے لیے ایک خاص مہربانی ہے۔ کہ وقت گزرنے کے ساتھ دین کے پچھلے مٹے ہوئے نشانات کو از سر نو زندہ کرنے کے مجددین کو انہی میں سے پیدا کرتے ہیں۔

بیعت سے پہلے تعارفِ مہدی کا قضیہ

ا۔ عقل نقل اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ خلیفہ اور امام کا ظاہر ہونا ضروری ہے اور اس کے بیعت سے پہلے انتخاب کرنے والوں اور دیگر بیعت کرنے والوں کا اس خلیفہ اور امام کی صفات اور اہلیت سے متعلقہ امور کا جاننا لازمی ہے۔ اگر خلیفہ ظاہر نہ

ہو، یا بیعت سے پہلے اہلِ حل و عقد اس کے صفات اور متعلقہ امور سے واقف نہ ہو، تو اچانک سے کسی غیر معروف شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور پوری امت کی بھاگ دوڑ اس کو حوالہ کرنا عقلی اور نقلی دلائل کی رو سے درست معلوم نہیں ہوتی۔

۲۔ایسے ہی خلیفہ اور امام کا خود بھی اپنے صفات سے واقف ہونا لازمی ہے، اگر کسی شخصیت کو اپنے بارے میں یہ علم نہ ہو، تو کیا وہ اچانک اس عہدے کے لیے لمحہ بھر میں بغیر کسی سابقہ تیاری کے اہل ثابت ہو سکتا ہے؟

۳۔ خلیفہ کا تعارف، شرائط، صفات، منتخب کرنے والوں کے شرائط صفات اور دیگر متعلقہ امور کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوئی کہ خلیفہ اور امام کا شرعی نقطۂ نظر سے ظاہر ہونا، حاضر ہونا، معلوم ہونا اور بیعت سے پہلے عام لوگوں کو بھی اسی کی اہلیتِ خلافت کے بارے میں اور خود خلیفہ کو بھی اپنے صفات کے بارے میں خوب خوب علم ہو۔

۴۔انبیائے کرام، رسولانِ عظام، اولوالعزم شخصیات اور دیگر ان مقتدر اور مقتدیٰ حضرات کے بارے میں کیا لوگوں کو اور خود ان کو علم نہیں تھا؟ یقیناً ان کو اس بارے میں علم تھا، تو کیا ایک خلیفہ اور مجدد کے بارے میں خود اسے علم ہونا یا لوگوں کو اس بارے میں علم ہونا، کیوں موضع اشکال ہے؟

۵۔ قرآن وسنت سے یہ بات پوری طور پر ثابت ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ، سیدنا موسیٰؑ، سیدنا اسحٰقؑ، سیدنا یعقوبؑ، سیدنا یحیٰؑ، سیدنا عیسیٰؑ اور سیدنا محمد ﷺ کے بارے میں لوگوں کو بھی پہلے سے پتہ تھا اور خود انہیں بھی علم تھا۔

۶۔سیرت خلفائے راشدین سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی فضیلت کے بارے میں جس طرح پہلے سے لوگوں کو علم تھا، ایسے ہی ان کی خلافت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کے طرزِ عمل اور نماز میں امامتِ ابو بکرؓ وغیرہ کئی امور سے ان کی خلافت کے بارے میں بھی معلوم ہو چکا تھا۔

۷۔جب ان شخصیات کے بارے میں خود انہیں بھی علم تھا اور لوگوں کو بھی علم تھا، تو ایسے ہی اس امت کے آخری مجدد اور خلیفہ کے بارے میں یہ نظریہ رکھنا کہ انہیں نہ تو خود اپنے بارے میں علم ہو گا اور نہ ہی دوسرے لوگوں کو اس بارے میں علم ہو گا، یہ بات قرآن وسنت، سیرت خلفائے راشدین اور عقلِ سلیم کے متضاد معلوم ہوتی ہے۔

۸۔امام غائب کے بارے میں شیعہ حضرات کا یہی نظریہ ہے کہ وہ اچانک ظاہر ہوں گے، تو کیا ان سے یہ نظریہ ہمارے اندر در آیا ہے۔

۹۔کیونکہ جب انہیں ہم نہ امامِ معصوم سمجھتے ہیں اور نہ ہی ہم اس کے وحی وغیرہ کے قائل ہیں، بلکہ ہم امام مہدی کو ایک عام خلیفہ شمار کرتے ہیں، مگر اس کی خلافت "خلافتِ راشدہ" کی طرح امن وامان اور اسلامی عروج کی منتہی پر ہو گی۔

۱۰۔لہذا علمائے سبعہ میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر کے انتخابِ خلیفہ کے لیے اپنی جان ومال، گھر بار اور سب کچھ کا اختیار علمائے کرام کو دے کر امام مہدی کی تلاش میں خشتِ اول کا کردار ادا کریں۔تا کہ علمائے سبعہ پہلے سے امام مہدی کو جان کر ان کی صفات کو خوب پرکھ لیں اور جب یقین آجائے۔اور اس دوران علاماتِ

زمانیہ، مکانیہ، سیاسیہ، شرعیہ، تکوینیہ اور شخصیہ مکمل ہوں، تو اس کے بعد امام مہدی کی بیعتِ خلافت کریں۔

آیئے قدم سے قدم ملائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مصادر ومراجع

تفسیر القرطبیؒ	شرح مسلم للنووی	الفصل لابن حزم
شرح المقاصد للتفتازانی	ازالۃ الخفاء	تاریخ دعوت وعزیمت
غیاث الأمم فی التیاہ الظلم لامام الحرمین الجوینی	الصواعق المحرقۃ	أحکام القرآن للجصاص
أصول الدین لِلامام عبد القاہر،	روح المعانی	مجموعۃ الفتاویٰ لابن تیمیہ
الأحکام السلطانیہ للماوردی	التفسیر الکبیر	الأحکام السلطانیہ لأبی یعلیٰ
خطبات جمیعت علمائے ہند،	صحیح البخاری	جامع البیان للطبری،
مآثر الِاناقۃ فی معالم الخلافۃ، لأحمد القلقشندی،	مسند أحمد	منصبِ امامت، شاہ اسماعیل
صفۃ المہدی لأبی نعیم الاصفہانی	جامع الأصول	سنن ابی داؤد
تحفۂ خلافت، مولانا عبد الشکور لکھنوی	الفتن لنعیم بن حماد	